بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

گذشتہ سال کا سب سے اہم اور عظیم الشان واقعہ امریکہ کے خلائی جہاز اپالو ہشتم کا ایک لاکھ چھپتر ہزار میل کا سفر کر کے مدارِ قمر میں پہنچنا اور وہاں چاند کے ارد گرد دس چکر لگانا اور پھر پروگرام کے مطابق صحت وسلامتی کے ساتھ واپس ہو کر بحر الکاہل میں اتر جانا ہے۔ تین خلا باز جو اپالو ہشتم میں بیٹھے تھے وہ کم وبیش اس ساڑھے پانچ لاکھ میل کے سفر میں بخیر وعافیت رہ کر اپنے مفوضہ کام انجام دیتے رہے۔ اس پورے سفر میں ان لوگوں میں اور زمین سے جو انہیں کنٹرول کر رہے تھے ان میں ربط اور گفت شنید کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اور یہاں ٹیلی وژن کے ذریعہ ان اوّل مسافرانِ منزلِ قمر کے حرکات وسکنات کا علم بھی ہوتا رہا۔ ابھی اس واقعہ پر پورے دس دن بھی نہیں گذرے تھے کہ خبر آئی کہ روس نے اپنا دو ہزار پانچ سو پاؤنڈ وزن کا خلائی جہاز وینس پنجم خلا میں چھوڑ دیا ہے۔ یہ جہاز ڈیڑھ ارب پچاس لاکھ میل کا سفر طے کر کے چار مہینہ میں یعنی مئی میں سیارہ زہرہ کی سطح پر اترے گا اور وہاں سے سیارہ کے متعلق نہایت اہم اور قیمتی معلومات ڈیڑھ گھنٹہ تک خاص خاص سائنٹیفک آلات اور پیمانوں کے ذریعہ مہیا کرنے کے بعد وہیں ختم ہو جائے گا۔ روس اس سے پہلے چار اور خلائی جہاز اسی زہرہ کی تحقیق وتفتیش کی دھن میں بھیج چکا ہے۔ ان میں سے تیسرا جہاز زہرہ تک پہنچنے کے بعد یکم مارچ ۱۹۶۶ء کو ختم ہو کر اس کے سینہ میں دفن ہو گیا۔ یہ دنیا کی تاریخ کا پہلا واقعہ تھا جب کہ انسان کے اپنے ہاتھ کی ایک بنی ہوئی چیز دوسرے سیاروں کے دائرہ ہائے کشش سے گذرتی ہوئی اور کروڑوں میل کا سفر طے کر کے زہرہ تک پہونچی اور آخر وہیں اس کے سینہ سے لپٹ کر رہ گئی۔

امریکہ اور روس میں خلائی سفر اور مختلف سیاروں تک پہنچنے کی کوشش کے سلسلے میں اب تک جو کامیاب تجربے ہوئے ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں یہ تجربات اس امر کا ثبوت ہیں کہ قدرت نے انسان میں ادراکِ حقائق اور کشفِ غوامض کی کیسی عجیب وغریب صلاحیتیں رکھی ہیں۔ ان تمام تجربات کا تعلق تو خیر! سائنس اور ٹکنالوجی کے ساتھ ہے۔ اس بنا پر حسب درجہ حیرت انگیز اپالو ہشتم اور اس کے مسافروں کا

سفر قمر ہے۔ اس سے کہیں زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ روزنامہ اسٹیٹسمین مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۶۸ء کی ایک اطلاع کے مطابق فرانس کا ایک مشہور ناول نگار JULESVERNE اب سے سو برس پہلے اپنی کتاب "زمین سے چاند تک" میں جو ۱۸۶۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اپالو ہشتم کے اس سفر کی پیش گوئی کر چکا تھا۔ اور پیش گوئی بھی اس زمانہ میں جب کہ سرے سے ہوائی جہاز کا کہیں وجود ہی نہیں تھا اور پھر بھی اتنی مکمل کہ مصنف نے اس جہاز کی شکل وصورت، وزن، رفتار سفر۔ اور سن وتاریخ سفر اور واپس ہو کر بحرالکاہل میں اترنا وغیرہ کے متعلق جو باتیں محض اپنی قوتِ تخیل کے سہارے بیان کی تھیں وہ تاریخوں میں معمولی سے اختلاف سے قطع نظر حرف بحرف صحیح ثابت نکلیں ابن سینا نے ادراک کی مختلف قوتوں کی تشریح وتوضیح کے سلسلہ میں اشارات میں جو کچھ لکھا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ ایک عقل بالملکہ ہے جو اس درجہ دراک ہوتی ہے کہ عام لوگوں کے لئے جو چیزیں نظریات میں داخل ہیں وہ ان کے لئے بدیہی ہوتی ہیں۔ اس قوت کے اوپر ایک اور قوت ہوتی ہے جسے نفس قدسی کہتے ہیں۔ یہ نفس آئینہ کی طرح پاک وصاف ہوتا ہے۔ اور اس بنا پر عقل فعال جو تمام کلیات کا مخزن ہے اس کے ساتھ اس نفس کو اپنے مرتبۂ انجلا، وصفا کے مطابق یک گونہ ربط وتعلق ہوتا ہے اور اس بنا پر دیر فقط توجہ اور التفات کی ہوتی ہے نفس قدسی نے جہاں توجہ عقل فعال کی طرف کی اس میں بعض وہ اشیا جو ابتک ظہور میں نہیں آئی ہیں ان کی صور کلیہ کا انعکاس ہونے لگا۔ بہرحال اب سے سو برس پیشتر فرانسیسی مصنف کے بیان سے دو باتیں صاف طور پر معلوم ہوتی ہیں جن سے مادہ پرست اور منکرین مذہب ورسالت کو عبرت ہونی چاہئے۔ پہلی بات یہ کہ کوئی امر اپنے زمانہ اور ماحول کے اعتبار اور اس زمانہ کی عقلی استعداد وفہم کے معیار سے خواہ کیسا ہی عجیب وغریب اور حیرت انگیز ہو محض اس بنیاد پر کہ وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا اس سے انکار نہیں کر دینا چاہئے۔ بلکہ اگر اس امر کا قائل ایک سچا اور ایماندار شخص ہے جو نہ لغو گو ہے۔ نہ شعبدہ باز، اور نہ جھوٹا اور نہ بے ایمان۔ تو ہمیں یہ یقین کر لینا چاہئے کہ اس شخص کا اس امر کے متعلق بیان اگرچہ ہماری سمجھ سے بلند وبالا ہے لیکن بیان بذات خود غلط نہیں ہو سکتا اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایک شخص اپنی کسی ایک خاص خداداد صلاحیت واستعداد کے ذریعہ سو برس پیشتر کسی ایک واقعہ کی حقیقت صحیح صحیح بیان کر سکتا ہے تو پھر اس میں کیا عقلی استبعاد ہے

کہ اللہ تعالیٰ بعض خاص خاص انسانوں کو ایک ایسی اعلیٰ اور بلند ترین قوت سے سرفراز فرمائے جسے مذہب کی اصطلاح میں رسالت یا نبوت کہتے ہیں اور یہ حضرات اپنی اس قوت اور استعداد کے ذریعہ مابعد الطبعیاتی حقایق اور عالم آخرت کے احوال وکوائف کا مشاہدہ ومطالعہ اسی طرح کر لیتے ہوں جس طرح ہم اور آپ اپنے سامنے کی مادّی چیزوں کا کر لیتے ہیں ہم اُن میں دیکھتے ہیں کہ وہ عالم آخرت اور حیاتِ بعد الموت کے لئے جو استدلال بیان کرتا ہے تو اس کا طریقہ یہ نہیں ہوتا کہ وہ ان چیزوں کے اثبات کے لئے منطقی اور عقلی دسائل قائم کرے۔ بلکہ جن چیزوں کا علم بالفعل، انسان کو ہے اور جنہیں وہ روز مرہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہتا ہے یعنی تکوینی امور وحقائق۔ انہیں بیان کرکے پوچھتا ہے کہ جب یہ سب کچھ ممکن ہے اور وقوع پذیر ہوتا بھی رہتا ہے تو پھر ایک مرتبہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے میں کیا استبعاد ہے۔ کائناتِ ارضی وسماوی اور عجائباتِ خلق وقدرت کی وسعتوں اور پہنائیوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ پھر جسے "زندگی" کہتے ہیں۔ اس کے روپ اور شکلیں اور اس کے احوال وکوائف بھی گوناگوں اور چند در چند ہیں۔ علاوہ ازیں قدرت نے انسان میں تعقل وتفکر اور درک ونظر کی جو صلاحیتیں رکھی ہیں ان کا شمار نہیں ہو سکتا — قرآن مجید نے تخلیقِ آدم کے قصہ میں "وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا" کہہ کر انسان کی ان صلاحیتوں کی طرف ہی اشارہ کیا ہے — تو پھر ایک انسان کی بدنصیبی اور بدبختی اس سے بڑھ کر کوئی اور نہیں ہو سکتی کہ وہ ہر اس بات کا ڈھٹائی سے انکار کردے یا اس کا مذاق اڑائے جو اس کی اپنی عقل معتاد میں نہیں آتی۔

اس سے ہمیں ایک یہ اصول بھی معلوم ہو گیا کہ کسی کلام کے متعلق اس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ صرف اس کلام کی اپنی ذات کی بنیاد پر نہیں کر دینا چاہئے۔ بلکہ متکلم کی شخصیت اس کے اوصاف وکمالات۔ اس کی راست گوئی وراست کرداری۔ امانت ودیانت۔ بے غرضی وبے لوثی وغیرہ ان سب چیزوں کی روشنی میں کلام کا وزن اور اس کی قدر وقیمت معلوم کرنی چاہئے۔ کہتے ہیں سائینس اور مذہب میں بیر ہے لیکن حق یہ ہے کہ سائنس مذہب سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ اپالو ہشتم کے مسافروں نے چاند کے پہلو میں پہنچکر بائبل پڑھ کر اور امنِ عالم کے لئے بارگاہِ خداوندی میں دعا کر کے اس حقیقت پر اور مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔